شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کے اقتصادی پہلو

ڈاکٹر مرزا امجد علی بیگ استاد شعبہ اقتصادیات سندھ یونیورسٹی

حضرت شاہ ولی اللہ اسلام کے ایک بلند پایہ مفکر، اسلامی فلسفۂ حیات کے جلیل القدر مفسر، انقلاب انگیز سیاسی و اقتصادی نظریات کے بانی اور معاشی و معاشرتی اصلاحات کے لئے اٹھارویں صدی میں فروغ پانے والی چند موثر اور ہمہ گیر تحریکوں کے روح رواں کی حیثیت سے عالم اسلام میں عقیدت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ شاہ صاحب کی تعلیمات کا دائرہ بیحد وسیع ہے۔ اس سیمینار میں کئی اور دانشوران کی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کریں گے اقتصادیات کے ایک طالب علم کی حیثیت سے راقم نے اس مختصر مقالے میں فیلسوف اسلام شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کے چند نمایاں اقتصادی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

اس مقالے میں اس امر کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ شاہ صاحب کی تصانیف میں کوئی ایک علیحدہ تصنیف اقتصادیات یا اقتصادی مسائل کے لئے مخصوص نہیں کی گئی ہے۔ نہ ہی ولی اللہی فلسفے میں اقتصادیات کو کوئی علیحدہ یا مخصوص جزو

اردے کر اس پر بحث کی گئی ہے، لیکن انسانی زندگی میں اقتصادی مسائل کی اہمیت کے پیشِ نظر شاہ صاحب کی متعدد تصانیف میں ان اہم امور پر بصیرت فروز اشارے اور اکثر مقامات پر تفصیلی مباحث موجود ہیں۔ جن سے اقتصادی اصولوں کی ترتیب و تہذیب کے لئے بیش قیمت مواد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ بالخصوص حجۃ اللہ البالغہ میں کئی مقامات پر تو شاہ صاحب نے اقتصادی عدم توازن کو تمدنی زندگی کی تباہی اور بدحالی کا سب سے بڑا سبب بتایا ہے۔ اور معاشرے کی اقتصادی اصلاح کو مذہبی اور روحانی ترقی کی بنیادی شرط اور انبیا علیہم السلام کی تعلیمات کا اہم جزو قرار دیا ہے۔ مروجہ اقتصادی نظام اور اسلام کے اقتصادی نظام کے فرق کو واضح کرنے کے بعد اس مقالے میں شاہ صاحب کی تعلیمات کے سیاسی و اقتصادی پس منظر کا مختصر خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ تاریخی شواہد بالخصوص ایران و روما کی عظیم الشان سلطنتوں کے عروج و زوال کی مثالیں پیش کر کے شاہ صاحب نے اپنے زمانہ کے بادشاہ، امرا اور اٹھارویں صدی کے انحطاط پذیر معاشرے کے افراد کو عبرت دلانے کی جو کوشش کی ہے اس کا مختصر بیان بھی اس مقالہ کا ایک جزو ہے۔

شاہ صاحب نے احیائے ملت کے لئے قرآنی تعلیمات کو عام فہم بنانے اور تراجم کے ذریعے قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کی جو تحریک چلائی تھی اس کی تجدید و تکمیل کے لئے چند مشورے اس مقالے کے آخر میں پیش کئے گئے ہیں۔

علم اقتصادیات کی ابتدا ۱۷۷۶ء میں ہوئی جب کہ آدم اسمتھ نے "دولت اقوام" نامی کتاب شائع کی۔ اس سے پہلے بھی اقتصادی مسائل سے دنیا دوچار ضرور تھی لیکن ان مسائل کے تجزئے کی بناء پر علم و فن کا ایک مربوط نظام مرتب نہیں کیا گیا تھا۔ ہرچند کہ فنی حیثیت سے اقتصادیات کے کلیوں اور اصولوں میں اب بھی وہ قطعیت اور درستگی نہیں جو طبیعی علوم مثلاً کیمیا، ریاضی۔ یا طبیعیات کا خاصہ ہیں۔ لیکن گذشتہ دو صدیوں میں بالخصوص صنعتی انقلاب کے بعد

علم اقتصادیات نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ مشرق و مغرب میں قومی اور بین الاقوامی منصوبہ بندی کے لئے اس کے وضع کردہ اصولوں کا علم بے حد ضروری تصور کیا جاتا ہے۔

زراعت، صنعت و حرفت، درآمدات، و برآمدات، تعلیم و مواصلات غرض کون سا شعبۂ زندگی ایسا ہے جو علم اقتصادیات سے کسب فیض نہ کرتا ہو اور منصوبہ بندی کے لئے اقتصادی مشیر سے رجوع نہ کرتا ہو۔

اس ضمن میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ اسلام کی اساسی کتاب یعنی قرآن حکیم میں اقتصادیات کا علیحدہ ایک باب ہے۔ اور نہ ہی ولی اللہی فلسفے میں اقتصادیات کو کوئی علیحدہ جزو قرار دے کر بحث کی گئی ہے، لیکن چونکہ انسانی زندگی میں اقتصادی مسائل کو بہر کیف ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اور اس کی اہمیت روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ لہٰذا اس پہلو پر بھی قرآن حکیم کی تعلیمات محیط ہیں۔ اور شاہ صاحب نے بھی اپنی متعدد تصانیف میں انسان کی انفرادی، اجتماعی، اور تمدنی زندگی کی اصلاح کے لئے علم و عرفان کے جو موتی بکھیرے ہیں، ان میں اقتصادی مسائل پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے اور چند نکات اتنے واضح طور پر بیان کئے ہیں کہ اسلام کے اقتصادی نظام کی ماہیت کے افہام و تفہیم کے لئے اس سے بہتر شاید ہی کوئی اور مستند تصنیف یا تفسیر پیش کی جا سکے بالخصوص آپ کی معرکتہ الآرا تصنیف حجتہ اللہ البالغہ میں ابتغائے رزق اور ارتفاقات کے مباحث میں جو بصیرت افروز اشارے موجود ہیں، ان سے اقتصادی اصولوں کی ترتیب و تہذیب میں حسب توفیق ہدایت حاصل کی جا سکتی ہے۔

مروجہ علم اقتصادیات، جو مغربی تمدن کا ساختہ پرداختہ اور سرمایہ داری نظام کا جزوی عکس ہے، بالعموم ان وسائل و عوامل کی تحصیل و صرف پر بحث کرتا ہے جو نسبتاً کم یاب ہوں اور جو انسان کی گوناگوں انفرادی و اجتماعی احتیاجات کی تشفی کے لئے کارآمد ہوں۔ ان مباحث میں آمدنی اور مصارف

پر تو نظریاتی اور تجرباتی دلائل ضرور پیش کئے جاتے ہیں اور کم خرچ بالانشیں کے اصول پر ہمیشہ نظر رہتی ہے۔ لیکن ان مباحث میں ایک بجید ضروری پہلو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور وہ ہے وسائل و عوامل کی حلت و حرمت کی بحث۔ ایک زمانے تک ماہرین اقتصادیات میں یہ بحث ہوتی رہی ہے اور اب بھی چند مفکرین اقتصادیات اپنی اس رائے پر بضد ہیں کہ اقتصادیات کو اخلاقیات سے کوئی واسطہ نہیں[1]

ان کا نقطۂ نظر اجمالی طور پر یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ وہ چونکہ اقتصادیات کو ایک فن تصور کرتے ہیں اور فنی اعتبار اور خالص فنی نقطۂ نظر سے ریاضی، کیمیا اور دیگر فنون جائز و ناجائز حرام و حلال کی بحث میں الجھے بغیر مادہ کا تجزیہ کرتے ہیں اور تجربوں سے حاصل شدہ نتائج کو معروضی، غیر جذباتی اور غیر جانبدارانہ طریقے سے پیش کر کے اسے عملی شکل دینے کی کوشش کرتے ہیں، اسی طرح اقتصادیات بھی فنی اعتبار سے غیر جانبدارانہ طریقے سے وسائل و عوامل کے حصول و صرف پر بحث کرنے کا مجاز ہے، جائز و ناجائز کی اخلاقی بحث میں الجھ کر اسے اپنی فنی حیثیت نہیں کھونی چاہیئے[2]

اسلام کے اقتصادی نظام اور مروجہ اقتصادی نظریات یا علم اقتصادیات کے مروجہ نظریات میں یہ بنیادی فرق ہے کہ موخر الذکر کسب معاش اور تشفی احتیاجات سے بحث کرتے ہیں، جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی بحث میں الجھنا عار سمجھتے ہیں۔ لیکن اسلامی نظام حیات میں اکل حلال حلال کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ روز قیامت ہر شخص سے یہ سوال کیا جائے گا۔

من این اکتسبہ وفیما انفقہ۔ زر و مال کہاں سے حاصل کیا اور پھر کہاں خرچ کیا؟

انفرادی ضروریات پوری کرنے کے لئے قرآن حکیم نے جہاں جہد و اکتساب کی ترغیب دلائی ہے اور قطعی طور پر یہ صراحت کر دی ہے کہ لیس

للانسان الا ما سعیٰ، وہاں سورۃ مائدۃ میں اس بات کی واضح ہدایت بھی موجود ہے کہ فکلوا مما رزقکم اللہ حلالاً طیباً۔ پس اللہ نے جو کچھ تم کو رزق دیا ہے اس میں سے حلال و طیب کھاؤ۔

اسلام میں عبادات کے ساتھ ہی معاملات پر تفصیلی مباحث موجود ہیں جن کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کے اقتصادی نظام میں بالعموم اور حقوق العباد کی ادائیگی میں بالخصوص عدل کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے شاہ ولی اللہ کی تعلیمات میں اس اقتصادی اصول پر بالتفصیل بحث کی گئی ہے۔ چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ کے باب ابتغاء الرزق میں ارشاد فرماتے ہیں کہ معاشی وسائل کو ذریعۂ معیشت بنانے کی شرط یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کی آزادی معیشت پر اثر انداز نہ ہو کہ اس سے تمدن انسانی میں فساد پیدا ہوتا ہے۔[1]

اسی ضمن میں یہ بھی صراحت موجود ہے کہ اگر مالی نفع ایسے طریقے پر حاصل کیا جائے کہ اس میں عاقدین کے درمیان تعاون اور محنت کو دخل نہ ہو جیسے قمار یا زبردستی کی رضامندی کا اس میں دخل ہو جیسے سودی کاروبار، تو ان صورتوں میں بلاشبہ مفلس اپنے افلاس کی وجہ سے خود پر ایسی ذمہ داری عائد کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے جن کا پورا کرنا اس کی قدرت سے باہر ہوتا ہے اور اسکی وہ رضامندی حقیقی رضامندی نہیں ہوتی، تو اس قسم کے تمام معاملات رضامندی کے معاملات نہیں کہلائے جاسکتے۔ اور نہ ان کو پاک ذرائع آمدنی کہا جاسکتا ہے۔ بلاشبہ یہ معاملات تمدنی حکومتوں کے اعتبار سے قطعاً باطل اور خبیث ہیں۔[2]

موجودہ نظام سرمایہ داری کے کارخانوں اور کمپنیوں کے مالکوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ کم سے کم مزدوری میں مزدور سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جائے سرمایہ و محنت کی باہمی کش مکش کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، علم اقتصادیات کے متقدمین نے تو نظریاتی طور سے اس اصول کو تسلیم کر لیا تھا اور صنعتی انقلاب

کے بعد مغربی ممالک میں قصر ترقی اسی بنیاد پر قائم ہوا کہ مزدور کو صرف اتنی اجرت دی جائے کہ اس کی اشد ضروری احتیاجات کی کفالت ہو سکے[5] ورنہ ان دانشوروں کو اس کا اندیشہ تھا کہ اگر مزدور کو اس کا حق یعنی صحیح اجرت مل گئی تو سکون و اطمینان کی سانس لینے کے بعد وہ کاہلی اور غفلت برتے گا اور کام سے جی چرانے لگے گا۔ کتے کو بھوکا رکھو تو وہ شکار اچھا کرتا ہے، مزدور کو بھوکا رکھو اجرت کم دو تو وہ مفلسی و ناداری کے عالم میں سرمایہ دار کو خوش کرنے کیلئے روبہ مزاجی اختیار کرے گا۔

بے قید و بے لگام معاشی نظام کے حامیوں نے یہ فرض کر لیا کہ روشن خیال خود غرضی اجتماعی فلاح و بہبود پر لازماً منتج ہوگی[6] مارکس نے صنعتی انقلاب کے ایک سو سال بعد اور آج سے کوئی ایک صدی پہلے سرمایہ داری کے ان مذموم رجحانات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور ایک دوسرا فلسفہ حیات اور ایک نیا نظام عمل پیش کیا لیکن مارکس کی کتاب "سرمایہ" (مطبوعہ ۱۸۶۷ء) اور آدم اسمتھ کی کتاب "دولت اقوام" (مطبوعہ ۱۷۷۶ء) کی اشاعت سے کہیں پہلے امام الہند شاہ ولی اللہ اپنی تصانیف میں اقتصادیات کے ان اصولوں کی نشان دہی فرما چکے تھے جن کی بنیاد عدل پر قائم ہے اور جس کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے۔ اگر دیانتداری سے ان اصولوں کو مشعل راہ بنایا گیا ہوتا تو سرمایہ و محنت کے باہمی نزاع اور امیر و غریب اور بورژوا اور پرولتاری طبقوں کے مابین کشاکش بحرانی شکل اختیار نہ کر پاتی۔ بلکہ اسلام کے وضع کردہ اصول اقتصاد یعنی عدل کی بنا پر سرمایہ و محنت میں توازن قائم ہوتا اور کائنات انسانی کی عام فلاح و بہبود کا ایک عالمگیر نظام قائم ہو چکا ہوتا۔

شاہ صاحب اٹھارویں صدی کی ابتداء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ اٹھارویں صدی ایک انقلاب آفریں اور بے حد ہنگامہ خیز صدی گزری ہے بالخصوص اس صدی کے نصف آخر میں مغربی ممالک نے صنعتی، سیاسی اور معاشرتی

انقلابات کے ذریعہ ارتقا کے مختلف منازل و مراحل طے کرکے اقصائے عالم پر اپنی برتری کا سکہ جمادیا۔ مُلکی فتوحات اور استعمار کے دیگر وسائل کو بروئے کار لاکر اپنی دولت میں اضافہ کیا اور انیسویں صدی میں مغربی ممالک کا تسلط کم و بیش ساری دنیا پر قائم ہوگیا۔ بدقسمتی سے اٹھارویں صدی کی ابتدا ہی سے مشرقی ممالک کا زوال شروع ہوا۔ شاہ صاحب کی پیدائش کے چار سال بعد اورنگ زیب کی وفات واقع ہوئی اور اس کے بعد تو مغلیہ سلطنت کا شیرازہ منتشر ہوگیا۔

۱۷۰۷ء سے ۱۷۵۷ء تک یعنی نصف صدی کے عرصے میں تخت دہلی پر دس تاجدار بٹھلائے گئے۔ اور اتارے گئے۔[5] ان میں سے صرف چار اپنی طبعی موت مرے، باقی کے سر قلم کردیئے گئے یا تخت سے اتار کر آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی۔ ان سلاطین کے عہد میں ہندوستان کو جن لرزہ خیز حوادث و انقلابات سے دوچار ہونا پڑا ان کی طرف صرف اشارہ کردینا کافی ہے سادات بارہ کا تسلط، فرخ سیر کا ان کے ہاتھوں بصد بیکسی قید میں مرنا، تورانی امرائے دربار کے ہاتھوں ان سادات بارہ کا زوال، مرہٹوں کی بغاوت اور ان کا عروج، سکھوں کا خونیں فتنہ، نادرشاہ کی یلغار اور دہلی میں قتل عام، احمدشاہ ابدالی کی معرکۂ پانی پت میں فتح، روہیلوں کا ہندوستانی سیاست میں شریک ہونا، مغربی اقوام کا ملکی سیاست میں بتدریج داخل ہوتے جانا انگریزوں کا بنگال، بہار وغیرہ پر اقتدار اور عمل دخل۔ تقریباً یہ تمام واقعات شاہ صاحب کی زندگی میں پیش آئے۔[6]

اس دورِ انحطاط میں لوگ دین سے کم و بیش بے بہرہ ہو چکے تھے۔ اور قرآن کریم کو طاقِ نسیان کی زینت بنادیا گیا تھا۔ اسے زیادہ سے زیادہ فال نکالنے یا حلف اٹھانے کے لئے ہی کھولا جاتا۔ ورنہ بیش قیمت جزدانوں میں تہ کرکے احترام سے کسی نمایاں جگہ رکھ دیا جاتا۔ اس زمانہ میں خانقاہ نشیں پیشہ ور

فقراء سجادہ نشین اور نام نہاد علماء نے گویا کلیسائی نظام کا چربہ ہندوستان میں اتار رکھا تھا، بادشاہ، امرا، اور بالادست حکام وہ چھوٹے جاگیردار تھے جو شاہانہ زندگی اور عیش پرستانہ رنگ رلیوں کے لئے کاشت کاروں کا خون چوستے تھے۔ یہ دونوں طبقے محنت سے ناآشنا تھے۔ ملک کی دولت میں ان سے کوئی اضافہ نہیں ہوتا تھا بلکہ بقول شاہ صاحب یہ ملک کے لئے بارگراں تھے چنانچہ باب سیاست المدنیہ کے آخر میں آپ فرماتے ہیں۔

اس زمانے میں بربادی ملک کا سبب زیادہ تر دو چیزیں ہیں۔

۱۔ خاص خاص طبقے اس کے عادی ہو گئے ہیں کہ کچھ کئے دھرے بغیر اپنے خاص خاص امتیاز کی بنا پر مثلاً اس لئے کہ وہ قاری یا عالم ہیں، یا ان کا تعلق شعرا یا سجادہ نشین یا فقراء کے اس حلقے سے ہے جس کو بادشاہوں کی طرف سے عطیے اور وظیفے ملتے رہتے ہیں، یا اس قسم کی دریوزہ گری اور بھیک کا کوئی ڈھنگ نکال کر خزانہ شاہی سے رقمیں وصول کرتے ہیں اور ملکی دولت کے وسیع دامن کو تنگ کرتے رہتے ہیں۔ ان کا مطمح نظر ملک کی کوئی خدمت نہیں بلکہ رقمیں وصول کرنا ہے اور اپنا ذریعہ معیشت فراہم کرنا انکا نصب العین ہوتا ہے۔ ان مہذب دریوزہ گروں کا ایک گروہ جاتا ہے اور دوسرا گروہ آتا ہے اس طرح باشندگان ملک کی زندگی تنگ کر رہے ہیں اور ملک کے لئے بارگراں بنتے رہتے ہیں۔"

(۲) کاشت کاروں، سوداگروں اور دست کاروں پر بھاری ٹیکس مقرر کئے جاتے ہیں اور ان کے وصول کرنے میں انتہائی سختی سے کام لیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وفادار رعایا بھی بغاوت پر اتر آتی ہے جس کے فرو کرنے کے لئے جبر و تشدد سے کام لینا پڑتا ہے اور بے انتہا فوجی طاقت صرف کرنی پڑتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ملک کی فلاح و بہبود اس میں ہے کہ ٹیکس کم سے کم ہوں اور دفاع پر بقدر ضرورت صرف کیا جائے۔ ۹؎

شاہ صاحب نے ہندوستان کے اقتصادی بحران کو ملک کی بربادی، تباہی اور بدحالی کا سب سے بڑا سبب قرار دیا ہے۔

بقول مولانا سید محمد میاں (مصنف علمائے ہند کا شاندار ماضی) اس مذہبی رہنما (شاہ صاحب قبلہ) کا یہ فیصلہ ہندوستان کے خاص حالات سے مخصوص نہیں بلکہ اس کا نظریہ یہ ہے کہ عالم انسانیت میں ہمیشہ یہ ہوتا رہا ہے کہ (اقتصادی) عدم توازن نے مذہب کے سربفلک قلعوں کو مسمار کر دیا ہے۔ اس لئے سوسائٹی کی اقتصادی اصلاح مذہبی اور اخلاقی اصلاح اور روحانی کمالات کے لئے سب سے پہلی سیڑھی ہے۔[۱۸]

شاہ صاحب نے سوسائٹی کی اقتصادی اصلاح کو انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا اہم جزو قرار دیا ہے۔ چنانچہ اپنی مشہور و معروف تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں معیشت پر بالتفصیل بحث کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا کی یہ حالت تھی کہ عیش و عشرت اور حد سے بڑھے ہوئے شاہانہ تکلفات کا مرض جس نے ملک اور قوم کو اقتصادی عدم توازن کی تباہیوں میں مبتلا کر رکھا تھا۔

ایران و روما وغیرہ میں وبا کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ پس اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کے دل میں القا کیا کہ وہ اس مرض کا ایسا علاج کریں کہ نہ صرف مرض ختم ہو بلکہ زہر یلا مادہ بھی فنا ہو جائے جس کی وجہ سے یہ مرض پیدا ہوا ہے۔ پس آنحضرتؐ نے ان اسباب و وجوہ پر غور فرمایا جن سے اس مرض کے جراثیم نشو و نما پا رہے تھے، پھر ایک ایک مرض کی تشخیص کر کے ان کی ممانعت فرما دی۔[۱۹]

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت یعنی ساتویں صدی عیسوی میں ایران و روما کی سلطنتیں عروج پر تھیں مگر بقول اقبال طاؤس و رباب کا دور تھا اور اقتصادی عدم توازن نے ان کی جڑیں کھوکھلی کر دی تھیں۔ حضرت شاہ صاحب ان سلطنتوں کی تاریخی مثال سے اقتصادی خرابیوں

کا تجزیہ کرتے ہیں اور پھر عبرت دلانے کے لئے اپنے زمانے کے پادشاہ و امرا اور انحطاط پذیر معاشرے کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ کے باب اقامۃ الارتفاقات و اصلاح الرسوم میں ارشاد ہے۔

جب پارسیوں اور رومیوں کو حکومت کرتے صدیاں گذر گئیں اور دنیوی تعیش کو انہوں نے اپنی زندگی بنا لیا اور آخرت تک کو بھلا دیا اور شیطان نے ان پر غلبہ کر لیا تو اب ان کی تمام زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ وہ عیش پسندی کے اسباب میں منہمک ہو گئے اور ان میں ہر شخص سرمایہ داری اور تمول پر فخر کرنے لگا اور اترانے لگا۔ یہ دیکھ کر دنیا کے مختلف گوشوں سے وہاں ایسے ماہرین جمع ہو گئے۔ جو بیجا عیش پسندوں کو داد عیش دینے کے لئے عیش پسندی کے نت نئے طریقے ایجاد کرنے اور سامان عیش مہیا کرنے کے لئے عجیب و غریب دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں میں مصروف نظر آنے لگے اور قوم کے اکابر اس جدوجہد میں مشغول و منہمک رہنے لگے کہ اسباب تعیش میں کس طرح وہ دوسرے پر فائق ہو سکتے۔ اور ایک دوسرے پر فخر و مباہات کر سکتے۔ حتیٰ کہ ان کے امرا اور سرمایہ داروں کے لئے یہ سخت عیب۔ اور عار سمجھا جانے لگا کہ ان کی کمر کا پٹکا یا سر کا تاج ایک لاکھ درہم سے کم قیمت ہو یا ان کے پاس عالیشان سر بفلک محل نہ ہو جس میں پانی کے حوض، سرد و گرم حمام بے نظیر پائیں باغ ہوں اور ضرورت سے زیادہ نمائش کے لئے بیش قیمت سواریاں حشم و خدم اور حسین و جمیل باندیاں موجود ہوں، اور صبح و شام رقص و سرود کی محفلیں گرم ہوں اور جام و سبو سے شراب ارغوانی چھلک رہی ہو اور فضول عیاشی کے وہ سب سامان مہیا ہوں جو آج بھی تم عیش پسند بادشاہوں اور حکمرانوں میں دیکھتے ہو اور جس کا ذکر قصہ طولانی کے مرادف ہے۔

غرض یہ غلط اور گمراہ کن عیش ان کے معاشی نظام کا اصل الاصول بن گیا تھا اور کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ یہ صرف نواب اور امرا کے طبقے ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ پوری مملکت میں ایک عظیم الشان آفت اور وبا کی طرح سرایت کر گیا تھا۔

اور عوام و خواص سب میں یہی جذبہ فاسد پایا جاتا اور ان کے معاشی نظام کی تباہی کا باعث بن رہا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ مملکت کی اکثریت پر یہ حالت طاری ہو گئی کہ دلوں کا امن و سکون مٹ گیا تھا۔ ناامیدی اور کاہلی بڑھتی جاتی تھی۔ اور بہت بڑی اکثریت رنج و غم اور آلام مصائب میں گھری نظر آتی تھی۔ اس لئے کہ ایسی مفرط عیش پرستی کے لئے زیادہ سے زیادہ رقوم اور آمدنی درکار تھی اور ہر شخص کو مہیا نہ تھی البتہ اس کے لئے بادشاہ نواب، امرا اور حکام نے معاشی دستبرد شروع کر دی اور اس کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ کاشت کاروں، تاجروں، پیشہ وروں اور اسی طرح دوسرے کارپردازوں پر طرح طرح کے ٹیکس عائد کر کے ان کی کمر توڑ دی اور انکار کرنے پر ان کو سخت سے سخت سزائیں دیں۔ اور کارکنوں اور مزدور پیشہ لوگوں کو اس قابل بھی نہ چھوڑا کہ وہ اپنی احتیاجات و ضروریات کے مطابق کچھ پیدا کر سکیں۔ خلاصہ یہ کہ ظلم و بداخلاقی کی انتہا ہو گئی تھی۔

اس پریشانی اور افلاس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کو اپنی اخروی سعادت و فلاح اور خدا سے رشتہ بندگی جوڑنے کی بھی مہلت نہ ملتی تھی۔ کسب معاش کے بہترین طریقوں کا فقدان تھا۔ اور ایک بڑی جماعت چاپلوسی، مصاحبت، چرب زبانی اور درباداری کو ذریعہ معاش بنانے پر مجبور ہو گئی تھی اور یہ ایک ایسا فن بن گیا تھا جس نے ان کے افکار عالیہ اور ذہنی نشو ونما کی تمام خوبیاں مٹا کر پست و ارذل زندگی پر قانع کر دیا تھا۔ جب اس مصیبت نے ایک بھیانک شکل اختیار کر لی اور مرض ناقابل علاج حد تک پہنچ گیا تو خدائے تعالیٰ کا غضب بھڑک اٹھا۔ اور اس کی غیرت نے تقاضہ کیا کہ اس مہلک مرض کا ایسا علاج کیا جائے کہ فاسد مادہ جڑ سے اکھڑ جائے اور اس کا قلع قمع ہو جائے۔ اس نے ایک نبی امی کو مبعوث کیا اور اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا۔ وہ آیا اور اس نے روم اور فارس کی ان تمام رسوم کو فنا کر دیا۔ اور عجم اور روم کے رسم و رواج کے خلاف صحیح اصولوں پر ایک نئے نظام کی بنیاد ڈالی۔

اس نظام میں فارس وروم کے فاسد نظام کی قباحت کو اس طرح ظاہر کیا گیا کہ معاشی زندگی کے ان تمام اسباب کو یک قلم حرام قرار دیا جو عوام و جمہور پر معاشی دستبرد کا سبب بنتے اور مختلف عیش پسندیوں کی راہیں کھول کر حیات دنیوی میں انہماک کا باعث ہوتے ہیں مثلاً مردوں کے لئے سونے چاندی کے زیورات اور حریر و دیبا کے نازک کپڑوں کا استعمال اور تمام انسانی نفوس کے لئے خواہ مرد ہو یا عورت ہر قسم کے چاندی اور سونے کے برتنوں کا استعمال اور عالی شان کوشکوں اور رفیع الشان محلات و قصور کی تعمیر اور مکانوں میں فضول زیبائش و نمائش وغیرہ کی یہی فاسد نظام کے ابتدائی منازل اور معاشی نظام کی تباہی کا منشاؤ مولد ہیں۔ بہر حال خدائے تعالیٰ نے اس ہستی کو اخلاق کریمانہ اور نیک نہادی کے لئے معیار اور طاہر اور پاک امور کے لئے میزان بنا دیا۔[۲۷]

ارتفاقات پر طویل بحث کے آخر میں شاہ صاحب نے ایک بے حد اہم نکتہ کی وضاحت کی ہے اور فرمایا ہے کہ صحیح معاشی نظام کا معیار یہ ہے کہ دولت و ثروت نظام معیشت میں ایسا درجہ رکھتی ہو جو توسط اور اعتدال پر قائم اور افراط تفریط سے پاک ہو۔ اس سلسلے میں شاہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔

" یہ واضح رہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا منشا اگرچہ بالذات عبادت الہی سے متعلق ہے مگر عبادات کے ساتھ ساتھ اس منشاء میں رسوم فاسد کو فنا کر کے اجتماعی زندگی میں بہترین نظام کا قیام بھی شامل ہے اسی لئے پیغمبر خدا[۲] کا ارشاد مبارک ہے بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (میں اس لئے مبعوث کیا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کر دوں۔) اور اسی لئے اس مقدس ہستی کی تعلیم میں رہبانیت کو اخلاقی حیثیت نہیں دی گئی۔ بلکہ انسانوں کے باہم اختلاط و اجتماع کی زندگی کو ترجیح دی گئی ہے لیکن اس اجتماعیت کا امتیاز یہ قرار دیا ہے کہ اس معاشی نظام میں نہ دولت و ثروت کو وہ حیثیت حاصل ہو جو عجمی بادشاہوں کے یہاں حاصل تھی۔ اور نہ ایسی کیفیت ہو کہ تمدن سے

سے بیزار دہقان اور وحشی لوگوں کی طرح ان کی معیشت ہو۔

پس اس مقام پر دو متعارض قیاس کام کر رہے ہیں ایک یہ کہ نظام معیشت میں دولت وثروت ایک محبوب و محمود شے ہے اس لئے کہ اگر وہ صحیح اصول پر قائم ہے تو اس کی بدولت انسانوں کا دماغی توازن اعتدال پر رہتا اور اس سے اخلاق کریمانہ صحیح اور درست رہتے ہیں۔ نیز انسان اس قابل بنتا ہے کہ وہ دوسرے حیوانات سے ممتاز ہو اس لئے کہ بیکسانہ اور مجبورانہ افلاس، سوء تدبیر اور مزاج کے اختلال کا باعث ہوتا ہے دوسرے یہ کہ نظام معیشت میں دولت و ثروت ایک بدترین چیز ہے جب کہ وہ باہمی مناقشات اور بغض وحسد کا سبب بنتی ہے اور خود اہل دولت و ثروت کے اطمینان قلب کو تعصب اور حریصانہ کد و کاوش کے زہر سے مسموم کرتی اور قوموں کو استحصال بالجبر اور دوسروں پر معاشی دستبرد کے لئے آمادہ کرتی ہو کیونکہ اس صورت میں یہ بد اخلاقی کے مرض میں مبتلا کر دیتی، آخرت امداد الٰہی یعنی روحانی زندگی سے یکسر غافل و بے پروا بنا دیتی اور مظلوموں پر نت نئے مظالم کا دروازہ کھولتی ہے لہٰذا پسندیدہ راہ یہ ہے کہ دولت و ثروت نظام معیشت میں ایسا درجہ رکھتی ہو جو توسط اور اعتدال پر قائم اور افراط و تفریط سے پاک ہو۔[۱۳]

حجۃ اللہ البالغہ کے باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم سے یہ طویل اقتباس اس لئے پیش کیا گیا کہ شاہ صاحب کی تعلیمات کے اقتصادی اصول اور ہمارے معاشرے کے لئے ان کی اہمیت واضح ہو جائے انہوں نے جن اصولوں کی نشان دہی کی ہے وہ رہتی دنیا تک ہر عقل سلیم کو صراط مستقیم پر گامزن ہونے کے لئے مشعل راہ کا کام دیں گے۔ شاہ صاحب کی تعلیمات کے تانے بانے تاریخی اعتبار سے اٹھارویں صدی عیسوی کے سیاسی

اور سماجی پس منظر میں ہندوستان میں تیار ہوئے۔ ان کے ارشادات میں مشینوں اور مشینی دور کے مسائل کا تذکرہ نہیں ہے لیکن جاگیردارانہ نظام کے جملہ عیوب و نقائص کی نشان دہی کرنے کے بعد انہوں نے احیائے ملت کے لئے قرآنی تعلیمات کا سہارا لیا اور تراجم کے ذریعے قرآنی تعلیم کو عام کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ ۲۸ سال کی عمر میں سرزمین حجاز کا سفر کیا اور وہاں یورپ اور ایشیا کے زائرین سے ان ممالک کے متعلق پوری واقفیت حاصل کی۔ آپ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

احوال ہند برما مخفی نیست کہ خود مولد و منشا فقیر است۔ بلادِ عرب نیز دیدیم و احوال مردم ولایت از ثقات اینجا شنیدیم۔ [۱۳]

انہیں، ہر طرف ایک افسردگی چھائی ہوئی نظر آئی۔ ہر طرف سماجی، معاشی اقتصادی تباہیاں اپنا ڈیرہ ڈالے ہوئے تھیں اور ملت پر ایک جمود و بے حسی کی کیفیت طاری تھی۔ بقول اقبال

پیر مغاں شراب ہوا خوردہ در سبو ‏ ‏ بت خانہ و حرم ہمہ افسردہ آتشے
عالم تمام مردۂ بے ذوقِ جستجو ‏ ‏ مشرق خراب و مغرب ازاں بیشتر خراب

انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اس جمود کو توڑ دیں گے بلکہ اس فرسودہ نظام کو یکسر مٹا دیں گے۔ زیارت مدینۃ الرسول کے دوران ہی آپ پر مکاشفہ ہوا چنانچہ فیوض الحرمین میں آپ فرماتے ہیں کہ مجھ پر نیند کی ایک کیفیت طاری ہوئی اور مجھے محسوس ہونے لگا کہ میں نظام عالم میں خدا کی مشیت کو پورا کرنے کے لئے امام بنا دیا گیا ہوں۔ اسی حالت میں مسلمانوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ اب اللہ تعالےٰ کا کیا حکم ہے۔ "ماذا حکم اللہ فی ہذہ الساعۃ؟" میں نے جواب دیا فک کل نظام" یعنی کسی عادلانہ نظام قائم کرنے سے پہلے سب سے اہم فرض یہ ہے کہ انقلاب پیدا کر کے موجودہ دنیا کے فرسودہ نظامہائے حکومت

کو درہم برہم کردیا جائے۔[۱۵] اقبال بھی اسی مسلک کے قائل ہیں۔ فرماتے ہیں۔

چوں جہاں کہنہ شود پاک بسوزند آں را

وز ہماں آب و ... بنیاد جہاں نیز کنند

ایک جہانِ نو کی تعمیر کے لئے ... صاحب قبلہ نے اگر ایک طرف ملوکیت کے خلاف جہاد کے لئے زمین ہموار کرنے کی کوشش کی تو ساتھ ہی تعمیری اصلاح اور ذہنی بیداری کے لئے درس و تدریس ... کی نئی راہیں ایجاد کیں۔

شاہ صاحب پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے نزول قرآن کے اندازاً ساڑھے گیارہ سو سال بعد سرزمین ہند میں قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا اور اسی کے بعد ترجمہ قرآن کی بنیاد پڑی، آپ ہی کے تتبع میں آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ رفیع الدین صاحب نے قرآن کریم کا لفظی اردو ترجمہ کیا اور دوسرے فرزند حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے بامحاورہ بزبان ہندوی قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ الغرض ترجمہ کا باب سب سے پہلے آپ ہی نے کھولا۔[۱۶]

چونکہ عوام الناس کی مادری زبان عربی نہیں تھی لہٰذا قرآنی تعلیمات کے دائرہ اثر کو وسیع سے وسیع تر کرنے کی غرض سے شاہ صاحب نے ترجمے کی ترویج و اشاعت اور اس کی اہمیت سے امت مسلمہ کو آگاہ کیا۔ ان کے بعد ان کے نامور جانشینوں نے اس مشن کی تکمیل کی کامیاب کوشش کی۔ لیکن ختم کا ہے کو ہوا کام ابھی باقی ہے۔ اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ تعلیمات قرآنی کے دائرہ اثر کو توسیع دینے کی اس دور میں پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے صدیوں کی غلامی مروجہ طریقہ تعلیم اور گردوپیش کے اثرات کے باعث ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بہت سی ایسی باتیں شامل ہوگئی ہیں جو اسلامی اصول اور قرآنی تعلیمات کے منافی ہیں مغربی تعلیم کے مضر اثرات کو زائل کرنے، صحیح لائحہ عمل کی نشاندہی کرنے اور ان نوجوانوں کی تالیف قلوب کے لئے جو اگرچہ آگ توحید کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں لیکن گردوپیش کے اثرات سے تشکیک کا شکار ہیں یا صحیح

رہنمائی میسر نہ ہونے کے باعث صراط مستقیم سے بھٹک گئے ہیں لیسے مراکز قائم کئے جانے کی اشد ضرورت ہے جو شاہ صاحب کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قرآنی تعلیمات کا دائرہ وسیع کرنے کی کوشش کریں یہ مراکز با ترجمہ درس قرآن کا اہتمام کریں اور اسلامی نظام حیات کے اقتصادی سیاسی، سماجی، آئینی، مذہبی اور روحانی پہلوؤں کے متعلق مفکرین اسلام کی تعلیمات سے مستند با ترجمہ اقتباسات شائع کر کے کثیر تعداد میں ملک کے طلباء اساتذہ اور دانشوروں میں تقسیم کریں ہمارے اپنے اداروں کی جانب سے تا حنوز کوئی ایسا انتظام نہیں اور پرائے ہماری اس غفلت کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اگر ہم نے یہ کمی نہ پوری کی تو اپنے وسائل کے ضیاع کا یوں ہی شکوہ کریں گے کہ۔

غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

اس مقالے میں زیادہ تر حجتہ اللہ البالغہ کے بحث الارتفاقات اور باب ابتغائے رزق سے استفادہ کیا گیا ہے۔ شاہ صاحب کی تعلیمات کے اقتصادی پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کرنے کے لئے ایک علیحدہ تصنیف کی ضرورت ہے۔ ان کے اسی تصنیفی شاہکار یعنی حجتہ اللہ البالغہ میں متعدد ابواب متعلق بہ زکواۃ، انفاق، میراث تدبیر منزل، بیع و شرا اور سیاست مدنیہ وغیرہ میں ایسے اشارے موجود ہیں جن سے اقتصادی اصولوں کی ترتیب میں مزید مدد مل سکتی ہے۔ شاہ صاحب کا شمار اسلام کے ان عظیم مفکرین میں ہوتا ہے جنہوں نے دین فطرت کے صحیح اصول واضح کئے لہٰذا ان کی دیگر تصانیف سے کسب فیض کر کے اسلام کے اقتصادی نظام کا ایک مکمل خاکہ مرتب کیا جا سکتا ہے اس سلسلے میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ اسلام کے اقتصادی یا معاشی نظام پر جو تصانیف موجود ہیں۔ انہوں نے بیشتر شاہ صاحب کی تعلیمات کو بطور سند پیش کیا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ شاہ صاحب کی اپنی تصانیف پر مبنی ایک علیحدہ مبسوط اور مکمل خاکہ مرتب کیا جائے تاکہ موجودہ نظام ہائے

اقتصادی اور اسلام کے اقتصادی نظام کا فرق بھی واضح ہو سکے اور شاہ صاحب قبلہ کی تعلیمات کا دائرہ اثر بھی وسیع تر ہو جائے۔

Economic Science a Re searched is en 1 ssions American Economic Review Vol. XXIV P-225 238 2 Lionel Robbins Essays on the nature & Significance of Economic

۳ حجۃ اللہ البالغہ مولفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مترجمہ علامہ ابو محمد عبدالحق حقانی، ناشرین نور محمد اصح المطابع و کارخانہ کتب کراچی جلد دوم ص ۳۰۹

۴ ایضاً ص ۳۱۰

۵ Maurice Dobb Wages, Nisbet & Co: London. 1957 P. 37

۶ A C. Pigou Economics of Welfare Macmillan & Co

۷ علمائے ہند کا شاندار ماضی مصنفہ مولانا سید محمد میاں مطبوعہ الجمعیۃ پریس دہلی ۱۹۵۷ء جلد دوم ص ۳

۸ حجۃ اللہ البالغہ مقدمہ جلد اول ص ۲

۹ ایضاً جلد اول ص ۹۲

۱۰ علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد دوم ص ۱۰

۱۱ حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۲۲۴

۱۲ ایضاً جلد اول ص ۲۲۵

۱۳ " " ص ۲۲۶

۱۴ کتاب التمہید فی ائمۃ التجدید بحوالہ شاندار ماضی ص ۶

۱۵ اسلام کا اقتصادی نظام مصنفہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۷ء ص ۳۹۳

۱۶ حجۃ اللہ البالغہ جلد اول مقدمہ ص۳

۱۷ ایضاً جلد دوم ص ۵۷ - ۳۱۷

۱۸ اسلام کا اقتصادی نظام مصنفہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔

اسلام کا معاشیاتی نظام مصنفہ حیدر زماں کتاب منزل لاہور ۱۹۴۹ء

تفہیمات

حضرت شاہ ولی اللہ کے ذہن میں وقتاً فوقتاً جو اچھوتے خیالات آتے اور مختلف حالات و کوائف پر ان کے جو نادر تاثرات ہوتے وہ انہیں قلم بند فرماتے جاتے تفہیمات ان کے ان ہی خیالات اور تاثرات کا مجموعہ ہے ابھی اس کا دوسرا جز تحقیق و حواشی سے مصری ٹائپ میں شائع ہوا ہے۔

قیمت :- دس روپے

شاہ ولی اللہ اکیڈمی صدر حیدرآباد